رسائل و مسائل

شادی کے باوجود علیحدہ رہنا

سوال: میرا مسئلہ وہی ہے جس سے ہمارا معاشرہ خاصے بڑے پیمانے پر دوچار ہے۔ ہمارے ملک کے بہت سے افراد روزگار یا تعلیم کے سلسلے میں باہر ہیں۔ بعض صورتوں میں شوہر اور بیوی طویل مدت کے لیے علیحدہ رہنے پر مجبور ہیں۔ میرے شوہر کو پاکستان سے امریکہ گئے ہوئے چھٹا سال ہے۔ وہ وہاں پڑھ رہے تھے۔ اس عرصے میں انھوں نے پاکستان آکر نکاح کیا اور ڈھائی سال بعد واپس آئے اور رخصتی ہوئی اور ایک ڈیڑھ مہینہ میرے ساتھ رہے۔ پھر واپس امریکہ چلے گئے اور مجھے اپنے بھائی بھاوج کے گھر چھوڑ گئے۔

(خاتون کے تفصیلی خط سے' درج ذیل سوالات مرتب کیے گئے:)

۱۔ کیا ایک شادی شدہ لڑکی کو اس کا شوہر ایسے جیٹھ کے گھر میں جس کے بچے بھی جوان ہوں' اس کی مرضی کے خلاف چھوڑ کر ۴'۶ سال تک ملک سے باہر رہ سکتا ہے؟

۲۔ کیا شوہر کا اپنے مستقبل کے منصوبوں کے پیش نظر ۴'۶ سال تک بیوی کو اپنے سے دور پاکستان میں چھوڑنا درست ہے؟

۳۔ اگر اس طرح دوری کی شکل میں شوہر اپنی جنسی ضرورت' کسی فقہی رائے کے پیش نظر "استمنا بالید" سے پوری کر لیتا ہے جبکہ پاکستان میں بیوی جدائی کے دن گزار رہی ہو تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

۴۔ ایسی بے کس خواتین کس طرح اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود پر قائم رہیں اور شوہر کی عدم موجودگی میں کیسے اپنی حفاظت کریں؟

۵۔ اگر سسرال والوں کی نگاہ میں لڑکی کا اس طرح ان کے ساتھ رہنا ایک فطری اور درست کام ہو تو ان کے ساتھ کیا رویہ رکھا جائے اور ان کے ناروا سلوک کا کیا جواب دیا جائے؟

جواب: آپ نے جن معاشرتی مسائل کی طرف متوجہ کیا ہے وہ اجتماعی اہمیت کے حامل ہیں اور خصوصاً ان حضرات کے لیے ان پر غور کرنا بہت ضروری ہے جو تعمیر سیرت کے ذریعے خاندان، معاشرہ اور ریاست کے اداروں کو تبدیل کر کے ایک صالح قیادت اور ذمہ دار امامت کے لیے کوشاں ہیں۔ اسلام کے نظام حیات کے قیام و نفاذ کے لیے خاندان کی اصلاح بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اسی لیے قرآن عظیم کا فرمان ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶۶:۶)، "بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے"۔ اور یہ واضح حکم دیا گیا ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (النور ۲۴:۳۲) "تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہوں ان کا نکاح کر دو"۔ نکاح کو اسلام نے ایسے حصار سے تعبیر کیا ہے جو ایک فرد کو نہیں، بلکہ ایک پورے خاندان کو فواحش اور فتنے سے نکال کر معروف، بر، حیا اور تقویٰ کے ماحول میں لے آتا ہے۔

آپ سوالات کے متعین جوابات سے قبل تفہیم مسئلہ کی غرض سے چند نکات پر غور کر لیجیے اور مناسب ہو تو ان نکات کو اپنے شوہر اور سسرال والوں کے علم میں بھی لے آئیے:

نکاح کی زندگی کو قرآن و حدیث نے تقویٰ، ایمان اور معروف سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سورۃ النساء کی پہلی آیت میں فرماتا ہے: "لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو"۔ سورۃ النور میں فرمایا گیا: "تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمھارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا" (۲۴:۳۲)۔ گویا انسان کے مقصد وجود میں یہ بات شامل ہے کہ وہ رشتہ زوج کو اختیار کرے اور آبادی میں اضافہ بھی کرے۔

جس کے پاس وسائل نہ ہوں، اس کے لیے معاشرہ اور ریاست دونوں کی ذمہ داری کا تعین کر دیا گیا کہ وہ اپنے مجرد افراد، خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام، ان کے عفت و عصمت کے ساتھ رہنے کا بندوبست کرے۔ اسی بنا پر حدیث میں یہ بات فرمائی گئی کہ نکاح تکمیل ایمان کا ذریعہ ہے اور پھر وہ صداقت بیان کر دی گئی کہ جو نکاح سے بھاگتا ہے اور سنت رسولؐ کی پیروی کا منکر ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے نہیں (اَلنِّكَاحُ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)۔ سورۃ الروم میں اس تعلق کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک اور نشانی یا آیت سے تعبیر فرمایا گیا کہ "اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی" (۳۰:۲۱)۔

ان مختلف قرآنی احکام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نکاح کا مقصد محض ایک قانونی کارروائی نہیں بلکہ ایک ساتھ رہنا، تقویٰ اور طہارت اختیار کرنا، ایک دوسرے کو سکون دینا، اولاد کی پیدائش اور رضاعت و تربیت کرنا ہے۔ ظاہر ہے یہ سب کام شوہر اور بیوی دور بیٹھ کر نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم نے جن تمثیلات کے ذریعے سے اس رشتے کی اہمیت، مقام اور معاشرے کے صالح رکھنے میں اس کے کردار کا ذکر کیا ہے وہ بھی غیر معمولی طور پر توجہ طلب ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کے لیے لباس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو" (۲:۱۸۷)۔ اگر غور کیا جائے تو لباس جہاں ایک شخص کو موسمی اور فضا کے اثرات سے تحفظ فراہم کرتا ہے وہیں اس کی شخصیت کی تکمیل، اس کی زینت و جاذبیت میں اضافے کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ اس تمثیل میں یہ بات بھی شامل کر دی گئی ہے کہ جس طرح لباس اور جسم کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی ایسے ہی شوہر اور بیوی کے درمیان دوری کی جگہ قربت، بے تکلفی اور یکجائی ضروری ہے۔ قرآن اس رشتے کو جگہ جگہ سکون سے تعبیر کرتا ہے۔ "وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے (الاعراف ۷:۱۸۹)۔ یہاں بھی یہ بات ذہن نشین کرائی جا رہی ہے کہ ایک شوہر جھمیلوں سے تھکا ہارا جب گھر پہنچے تو زوجہ کو دیکھ کر اس کی تمام تھکن، اضمحلال اور نفسیاتی گراوٹ دور ہو جائے اور اسے جذباتی طور پر، جسمانی طور پر اور روحانی طور پر سکون و لذت مل سکے۔ ایک حدیث میں اس مضمون کو یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ سب سے بہتر بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کو خوش کرے جبکہ وہ اس کی طرف دیکھے، اطاعت کرے جب وہ اسے حکم دے۔

عقد نکاح کے مندرجہ بالا اور دیگر فوائد کے پیش نظر اسلام نے تجرد کی زندگی کو سخت ناپسند کیا ہے اور گرم جوش خاندانی زندگی کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اس تعارف و تمہید کے بعد اب آپ کے سوالات کی طرف آتے ہیں۔

جہاں تک ایک شوہر کا اپنی منکوحہ کو نکاح کرنے کے بعد اپنے بھائی بھاوج کے پاس چھوڑ کر امریکہ یا گھر سے دور رہنے کا تعلق ہے، یہ شریعت کے نقطہ نظر سے نہ صرف وظائف شوہری سے انحراف ہے بلکہ خود اپنے آپ کو اور اپنی منکوحہ کو ایک بھاری امتحان میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اولاً یہ تقریباً ناممکن ہے کہ ایک جیٹھ یا اس کی جیٹھانی اپنی نوجوان دیورانی کو وہ معاشرتی اور جذباتی تحفظ دے سکے جو ایک منکوحہ کو اس کا شوہر فراہم کرتا ہے۔ پھر اگر جیٹھ کے بچے بھی نوجوان ہیں تو ایک منکوحہ لڑکی کا جیٹھ اور اس کے نوجوان لڑکوں کے ساتھ ایک گھر میں رہنا اسلام کے تصور معاشرت سے براہ راست ٹکراتا ہے۔ اس لیے اگر ایسی لڑکی اسلام کے نظام عفت و حجاب پر عامل ہے تو وہ اپنے آپ کو ایک قید مسلسل میں محسوس کرے گی۔ پھر

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طویل عرصے میں جبکہ شوہر سے دور ہو' کیا وہ چار چھ سال تک نہ کبھی ہنسے' نہ خوشبو لگائے' نہ بناؤ سنگھار کرے' نہ اپنی مرضی سے کھائے پیئے' یا یہ سب کچھ کرے اور فتنے میں پڑے؟ اگر ایک شوہر کو ان مسائل کا احساس و ادراک نہ بھی ہو' وہ اپنی "معصومیت" میں یہ سمجھتا ہو کہ اس کی غیر موجودگی کی کسر اس کا بھائی یا بھاوج یا بھائی کی اولاد پوری کر سکتی ہے تو کم از کم اس کے بڑے بھائی' یا اگر والدین زندہ ہیں تو ان کا شرعی فریضہ ہے کہ وہ اسے اس ظلم سے باز رکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا یہ عمل مقصد نکاح کے منافی ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ فقہی طور پر اس صورت حال میں اگر ایک مظلوم منکوحہ خلع کے لیے کہے تو وہ حق بجانب ہو گی (یاد رہے مباح اعمال میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل طلاق ہے)۔

شوہر کا محض مستقبل کے مادی منصوبوں کی تکمیل کے لیے بیوی کو قید تنہائی میں مبتلا کر دینا' ایک انتہائی قابل اعتراض' خود غرضانہ طرز عمل ہے۔ اگر اس سارے معاملے کی بنیاد مالی استطاعت ہی ہے تو کیا اس مشکل کا علم اسے نکاح سے پہلے نہ تھا۔ اگر یہ صورت حال اس کے علم میں تھی تو پھر گواہوں کے سامنے اقرار اور نکاح کے بعد ذمہ داریوں سے فرار کوئی مناسب اخلاقی طرز عمل نہیں۔

یہاں ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے۔ نکاح اسلام کی نگاہ میں معاشرت کا حلال اور مطلوب طریقہ ہے جبکہ تجرد' جو خود عائد کردہ ہو' اپنے لیے ایک حلال چیز کو حرام کر دینے کے مترادف ہے اور وہ بھی یکطرفہ طور پر' اپنی منکوحہ کی رائے اور حق کو پامال کرتے ہوئے۔

نکاح کے بعد حقوق کی ادائیگی کے لیے اسلام کی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ **تفہیم القرآن** میں مفکر اسلام استاذی امام سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں: "بعض روایات سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحابیؓ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ ایک مدت سے اپنی بیوی کے پاس نہیں گئے ہیں اور شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو آپؐ نے بلا کر ان کو حکم دیا کہ ابھی اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔ انھوں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: روزہ توڑ دو اور جاؤ۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک خاتون نے شکایت پیش کی کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں اور مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حضرت عمرؓ نے مشہور تابعی بزرگ' کعب بن سور الازدی کو ان کے مقدمے کی سماعت کے لیے مقرر کیا' اور انھوں نے فیصلہ دیا کہ اس خاتون کے شوہر کو تین راتوں کے لیے اختیار ہے کہ جتنی چاہیں عبادت کریں مگر چوتھی رات لازماً ان کی بیوی کا حق ہے" (**تفہیم القرآن**' ج ۱' ص ۴۹۸-۴۹۹)۔

حدیث شریف کے اتنے واضح احکام کے بعد نہ نفس کشی کی' نہ بیوی سے کنارہ کشی کی کوئی گنجایش باقی رہتی ہے' اور نہ ایک نیک خاتون کو اذیت دینے کی۔ میرے علم میں تقویٰ' احسان اور طہارت نفس کے

حوالے سے کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ جس میں ایک شوہر اپنی پاک دامنی کے لیے شریعت کے فراہم کردہ مرغوب و مطلوب طریقے سے ہٹ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرے اور اپنی منکوحہ کو جان بوجھ کر آزمایش میں ڈالے۔ کیا وہ خاتون بھی اسی قسم کا کوئی حیلہ اپنی تسکین کے لیے اختیار کرے؟ اور اگر وہ ایسا کرے گی تو کیا شوہر کے خیال میں جس چیز کو اس نے اپنے لیے پسند کیا ہے، کیا وہ بیوی کے لیے بھی پسند کرے گا؟ ان معاشرتی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے ہمیں براہ راست اور کھل کر بات کرنی ہو گی اور مردوں اور خواتین دونوں کو دین کے قائم کردہ حقوق کی ادائیگی پر آمادہ کرنا ہو گا۔

آپ کے سوال میں مردوں کے جس غیر اسلامی رویے کی نشان دہی کی گئی ہے اسلام کا دعویٰ کرنے والے کسی شخص کے پاس اس کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔ ایک شوہر کا بنیادی فرض اپنی منکوحہ کو تحفظ، عفت اور حجاب کے ساتھ رہایش اور نفقہ فراہم کرنا ہے۔ ایک نوجوان صالح لڑکی کا ان حالات میں عفت و تقویٰ کے ساتھ اپنے آپ کو فتنوں سے محفوظ رکھنا ایک عظیم جہاد ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین اجر کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر شوہر کو خود اپنی غلطی کا احساس نہ ہو تو اس کے اعزہ کا فرض ہے کہ اس پر جس حد تک ممکن ہو، دباؤ ڈال کر اسے اپنی منکوحہ کے حقوق کی ادائیگی پر آمادہ کریں۔

ایک لمحے کے لیے اگر یہ بات بطور مفروضہ کے مان بھی لی جائے کہ شوہر طالب علم ہونے کے سبب بیوی کے اخراجات امریکہ میں برداشت نہیں کر سکتا تو یہ بات نکاح سے قبل سوچنے کی تھی اور نکاح سے قبل لڑکی کے خاندان والوں پر واضح کر دینی چاہیے تھی کہ وہ لڑکی کو ۶ سال تک امریکہ نہیں بلا سکے گا۔ اس صورت میں اس عمل کے غیر اسلامی ہونے کے باوجود کم از کم لڑکی اور اس کے والدین ذہنی طور پر اس امتحان کے لیے آمادہ ہوتے۔ جو صورت حال آپ کے خط سے یکطرفہ طور پر سامنے آئی ہے، وہ لڑکی پر ایک ظلم کی حیثیت رکھتی ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں پہلے سوال کا جواب واضح طور پر نفی میں ہے یعنی شوہر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے سوال کا جواب بھی پہلے جواب میں شامل ہے۔ یعنی وہ اپنے مادی مقاصد و اہداف کی تکمیل ضرور کرے لیکن اپنے حقوق و فرائض کی ادائیگی کے بعد۔ حقوق و فرائض کو نظرانداز کر کے محض اپنی ذاتی ترقی کی امید پر بیوی کو چھ سال تک چھوڑے رکھنا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔

"استمنا بالید" کو محض مجبوری کی شکل میں کم تر برائی کے طور پر ابن حزمؒ نے اس بنا پر حلال قرار دیا ہے کہ شریعت میں اس کی واضح ممانعت نہیں ہے۔ جو چیز حرام نہ کی گئی ہو وہ حلال تصور کی جائے گی۔ ان کا خیال ہے کہ حسن بصری، عمرو بن دینار اور مجاہد بھی اس کی اباحت کے قائل تھے اور عطا اس کو صرف مکروہ سمجھتے تھے۔ حنفی مسلک رد المحتار میں اسے حرام اور مستلزم عذاب قرار دینے کے بعد صرف اس شکل

میں جائز کرتا ہے کہ جب ایسا نہ کرنا ایک شخص کو زنا پر مجبور کر دے۔ گویا حالت اضطرار میں اسے جائز قرار دیتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سورہ المومنون کی آیت وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ (۲۳:۵-۷)' "اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں' البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں' وہی زیادتی کرنے والے ہیں" کو بنیاد بناتے ہوئے اسے قطعاً حرام قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں مرد اور عورت کے لیے شہوت کی تسکین کے صرف دو ذرائع کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہاتھ سے نکاح کرنے والے کو ملعون اور آخرت میں دوزخ میں داخل ہونے والا قرار دیا گیا ہے۔ عقلی طور پر بھی دیکھا جائے تو جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ ایک ایسے شخص کے لیے جو شادی شدہ بھی ہو' بیوی کو ہزارہا میل دور چھوڑ کر قضاء شہوت کے لیے وہ ذریعہ اختیار کرنا جسے ان آیات میں "عدوان" کہا گیا ہے' کسی طرح درست نہیں کہا جا سکتا۔

ایسی خاتون جو اپنے شوہر کی دین سے ناواقفیت کی بنا پر آزمایش کا شکار ہے' اسے بہرحال اپنی عفت و عصمت کی پوری حفاظت کرتے ہوئے روزہ' تلاوت قرآن اور نماز سے مدد لینی چاہیے۔ وہ فی الواقع ایسی حالت میں تقویٰ کے لحاظ سے اپنے شوہر سے کہیں زیادہ افضل مقام رکھتی ہے۔ یہی رویہ اسے اپنے سسرال والوں کے ساتھ رکھنا چاہیے' یعنی بھلائی اور احترام کے ساتھ پیش آنا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے شوہر کو توفیق دے کہ وہ نہ صرف اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں بلکہ وہ آپ کے حقوق کی ادائیگی میں احسان کا رویہ اختیار کریں۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

سب سے اچھی دعا

س: دعائیں تو ہم مانگتے رہتے ہیں۔ یہ بتایئے کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ دعا کون سی ہے جو اس سے مانگی جائے۔ عام لوگ تو اپنے مطلب کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں؟

ج: عام لوگ ہوں یا خاص لوگ' سب ہی اللہ کے محتاج ہیں اور سب کا مقصود و مطلوب' آخرت کی سرخروئی و کامیابی' جنت کا حصول اور دنیا کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ دنیا سے اللہ کے خاص بندے بھی صرف نظر نہیں کر سکتے۔ دنیا کی زندگی کو اللہ کے حکم کے مطابق گزارنا ہی دین ہے۔ خاص ہوں یا عام بہرحال ہر بندے کو اسی دنیا میں زندگی گزار کر آخرت کی سرخروئی حاصل کرنی ہے۔ اس لیے یہ دعا سکھائی گئی ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ ۲:۲۰۱)

اے ہمارے رب، ہمیں دنیا کی زندگی میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہم کو آتش جہنم کے عذاب سے بچا۔

خدا کے مقبول بندے صرف یہی نہیں کہ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھلائی کی بھی دعا کرتے ہیں، بلکہ دنیا کی بھلائی کا تذکرہ پہلے کرتے ہیں اور آخرت کی بھلائی کا تذکرہ بعد میں۔ اس لیے کہ واقعہ کے لحاظ سے بھی دنیا کی زندگی پہلے ہے، اس سے پہلے سابقہ پڑتا ہے اور آخرت کی زندگی بعد میں ہے، اس سے بعد میں سابقہ پڑے گا۔ اور اس لیے بھی کہ آخرت کو بنانے اور وہاں سرخروئی حاصل کرنے اور خدا کو راضی کرنے کا واحد ذریعہ بھی ہمارے پاس صرف یہی دنیا کی زندگی ہے جو پہلے ملی ہے، اسی کی بدولت ہم آخرت میں جنت حاصل کر سکیں گے۔ یہی ہماری واحد پونجی ہے۔ یہ اگر ہم نے ضائع کر دی تو پھر جنت حاصل کرنے اور خدا کی رضا پانے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اسی زندگی کو دیکھ کر حشر کا منصف ہمارے بارے میں جنت کا فیصلہ کرے گا یا جہنم کا، اس لیے بندہ دنیا کو اہمیت دیتا ہے۔ اپنی دعا میں پہلے اسی کا ذکر کرتا ہے، اور اس کی بھلائی کا طالب بھی ہوتا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے کہ جو مومن مرد اور مومنہ عورت بھی نیک عمل کرے گی اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ حیات طیبہ عطا فرمائے گا۔ دنیا میں حیات طیبہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اسی لیے بندہ مومن اس کی دعا کرتا ہے۔ دراصل ہر بندہ عاجز و درماندہ ہے۔ اس زندگی میں بھی ایک ایک سانس کے لیے اللہ کا محتاج ہے اور اس زندگی میں بھی اللہ کی نظر عنایت نہ ہو تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ زندگی کے ہر ہر لمحے کے لیے وہ خدا کا محتاج ہے۔ اس عاجزی، بے بسی، بے مائیگی اور سراسر احتیاج کا حقیقی اور گہرا احساس ہی بندے کی اصل متاع ہے اور جن بندوں کا یہ احساس جس قدر گہرا ہے، وہی خوش نصیب، خدا کے خاص بندے ہیں۔ اسی شان بندگی پر خدا کو پیار آتا ہے، اسی احساس بندگی سے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں اور انھی دھڑکنوں کی ترجمان دعا ہے۔

دعا دراصل صرف ان الفاظ کو زبان سے ادا کر لینے کا نام نہیں ہے، جن کو دعا کے لیے ہم استعمال کرتے ہیں یا جو ہم نے دہرانے کے لیے رٹ لیے ہیں۔ دعا دل کی کیفیت، عجز و احتیاج اور دھڑکنوں کو زبان سے بیان کرنے کا نام ہے۔ وہ الفاظ جن میں عجز و احتیاج اور زندگی و بیچارگی کی چاشنی نہ ہو، وہ دعا نہیں ہے، دعا کا مظاہرہ ہے۔ دعا کے مظاہرے کی تخفیف ہرگز مقصود نہیں ہے، مگر حقیقت میں دعا وہی ہے جو اس گہرے احساس اور قلب کی اس کیفیت کے ساتھ مانگی جائے کہ بندہ واقعی، سراپا احتیاج و بے مایہ ہے اور دینے والی ذات صرف وہی ہے جس کے حضور ہاتھ پھیلا کر وہ بھیک مانگ رہا ہے۔ اس پہلو سے سوچیں تو نہ کوئی عام

ہے نہ خاص، ہر ایک محتاج و بے نوا ہے بلکہ اپنے تذلل اور احتیاج کا جس کو زیادہ احساس ہے، وہی خاص ہے۔

پھر یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ بندہ دونوں جہاں میں اپنے رب کی توجہ، عنایت، کرم اور مدد کا محتاج ہے۔ اس لیے ایسا سمجھنا کہ دنیا کے مقاصد کے لیے رب سے دعائیں مانگنا کچھ کم تر درجے کی بات ہے، صحیح نہیں ہے بلکہ دنیا کے لیے دعا نہ مانگنا کم تر درجے کی بات ہے۔ اپنے مقاصد کے لیے رب کے حضور گڑگڑانا اور مانگتے رہنا ہی بلندی کی بات ہے۔ اپنی ہر بشری اور دنیوی ضرورت اور اخروی کامیابی کے لیے برابر مانگنا اور اس کے آگے جھولی پھیلانا ہی شان بندگی ہے۔ اللہ کی رحمت اور فیضان کرم کے دروازے اسی خوش نصیب بندے کے لیے کھلتے ہیں جو اس کے حضور ہاتھ پھیلاتا ہے اور عجز و تذلل کے ساتھ دعا کی توفیق پاتا ہے۔

اللہ سے مانگنے کے لیے سب سے اچھی دعا کون سی ہے؟ اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے میں اللہ کے سچے رسولؐ کی زبان سے آپ کو بتاتا ہوں۔ اس میں یہ بات بھی ہے کہ سب سے اچھی دعا کیا ہے اور یہ بھی اسی میں مضمر ہے کہ دنیا کے لیے دعا کرنا بھی مطلوب و پسندیدہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک روایت منقول ہے: **قال قال رسول اللہ ﷺ من فتح له منکم باب الدعا فتحت له ابواب الرحمة وما سئل شیئاً یعنی احب الیه من ان یسال العافیة (جامع ترمذی)**، "حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا: "تم لوگوں میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا سمجھ لو کہ اس کے لیے رحمت و نوازش کے دروازے کھل گئے اور بندے کی دعاؤں میں سب سے اچھی دعا جو اللہ سے مانگی جائے وہ یہ ہے کہ اس سے عافیت کی دعا کی جائے"۔

"عافیت" بہت ہی جامع لفظ ہے۔ بلاشبہ اس لفظ میں آخرت کی عافیت، وہاں کی سلامتی، وہاں کے رنج و خوف سے حفاظت اور وہاں کی سرخروئی اور اطمینان و سکون بھی شامل ہے لیکن یہ لفظ زبان سے ادا کرتے ہوئے ذہن پہلے دنیا کی عافیت اور یہاں ہر طرح کے ظاہری اور باطنی آفات و مصائب سے حفاظت اور سلامتی و عافیت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ بندہ عافیت کی دعا کر کے ہر طرح کے آلام و مصائب، امراض و پریشانی، ذہنی و جسمانی دکھ درد، معذوری و لاچاری، فقر و فاقہ، لوگوں کے ظلم و اذیت اور خدا کی ناراضی و غضب، غرض ہر طرح کی ظاہری باطنی مصائب و آلام، تمام دنیوی اور اخروی رنج و خوف سے عافیت اور حفاظت کی دعا کرتا ہے۔

عافیت و امن کے جامع مفہوم کو نظر میں رکھ کر غور کیجیے کہ جو شخص اس مفہوم میں اللہ سے واقعی

عافیت کا طالب ہے، وہ حقیقت میں اپنی عاجزی، بے بسی، تذلل اور بے کسی کا گہرا احساس رکھتا ہے اور ہاتھ اٹھا کر اپنے اس احساس عجز کا اظہار کرتا ہے کہ اے پروردگار، میں ہر ہر لمحے تیری عنایت توجہ اور رحم و کرم کا محتاج ہوں۔ تیرا کرم نہ ہو تو میں ایک سانس بھی نہیں لے سکتا۔ تیرا کرم نہ ہو اور تو نہ بچائے تو اپنے بل بوتے پر میں ہرگز کسی بڑی یا چھوٹی مصیبت سے نہیں بچ سکتا۔ تیری عنایت نہ ہو تو میں اپنی جان اور اپنے جسم کو کسی ظاہری اور باطنی آفت و مصیبت سے ہرگز نہیں بچا سکتا۔ میں انتہائی عاجز، بے بس اور سراپا احتیاج ہوں، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ یہی کیفیت و احساس، شان بندگی ہے اور یہی کمال عبدیت ہے اور یہی بندے سے اللہ کو مطلوب ہے۔ اسی لیے بندے کی یہ دعا کہ پروردگار دنیا اور آخرت میں سلامتی اور عافیت عطا فرما، بندے کی وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس دعا کی توفیق اس بندے کو نصیب ہو سکتی ہے جس کو اپنے عجز و تذلل کا واقعی احساس ہو اور ایسا ہی بندہ خدا کی رحمت و نوازش بیکراں کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو اللہ کے رسولؐ نے اپنے لفظوں میں یوں واضح فرمایا کہ تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا، یعنی دعا کرنا نصیب ہو گئی، اس کے لیے اللہ کی رحمت و کرم کے دروازے کھل گئے۔

لہٰذا ہر بندہ مومن کو رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ جیسی جامع دعا کو اپنے روز مرہ معمول کا حصہ بنا لینا چاہیے۔ (محمد یوسف اصلاحی)

وضاحت

گذشتہ ماہ "رسائل و مسائل" کے تحت تینوں سوالات کے جواب مولانا عبدالمالک نے تحریر فرمائے تھے۔ مولانا کا مکمل نام شائع ہونے سے سہواً رہ گیا۔ (ادارہ)

گذشتہ ماہ کے اشارات کا انگریزی ترجمہ جماعت اسلامی کے ویب سائیٹ

www. Jamaat.Org

پر ملاحظہ کیجیے۔ (ادارہ)